۱۳ ۱۳۳۵

مقدمہ

سیرت جناب سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں سے اکثر مواد کے لحاظ سے بہت مفصل، مفید اور انتہائی با اہمیت ہیں۔ مؤلفین علام میں سے ہر ایک نے مختلف پہلوؤں سے مقتدر رہبر امام عالی مقام ؑ کی مقدس زندگی کا مطالعہ پیش کیا ہے اور آپکی روح فرسا شہادت کے تفصیلی واقعات قلمبند کیے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم اور اس کی تائید جلیل سے اپنی اپنی مستحسن ومحترم کوششوں میں خوب کامیاب رہے ہیں۔

مؤلف ناچیز کی کوشش ہے کہ تاریخی کتب اور قدیم وجدید تفاسیر کی روشنی میں آیاتِ پاک قرآنی کی سند سے ماضی میں پیش فرمودہ زریں تحریروں پر اہلِ بیت اطہارؑ اور عترتِ ابرارِ رسولؐ فلک وقار کی معصومیت ومظلومیت کے حقائق پر مبنی ــــ پائے ملنے ہوئے ــــ مزید ایک متواضع تحریر کے اضافے کی سعادت حاصل کرے اور اگرچہ میں خود کو ہرگز اس امرِ عظیم کا اہل نہیں پاتا لیکن تمنا ہے کہ بارگاہِ احدیت میں اپنے بے حضور سجدوں کو اس عبادت کی کمک سے قابلِ استجابت بنا کر روزِ حشر اپنی رستگاری کا سامان

کروں اور بحضور سرورِ کونینؐ بھی سرخرو ہوں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اپنے مطالعہ سے جن حقائق واقعیہ پر میں مطلع ہوا ہوں، اپنے قارئین کرام کی ایمان افروزی کے لیے مؤثر طور پر ضبطِ تحریر میں لاسکوں اور گلزار تحقیق و تفحص سے جو گل ہائے خوشرنگ و پاکیزہ بُو مجھے دستیاب ہو سکے ہیں، سلک ولا میں انہیں پرو کر بارگاہِ حسینی میں پیش کروں اور ذاکرینِ سید الشہداءؑ میں محسوب و محشور رہوں۔ (مؤلف)

مقدمہ طبع دوم

برادران و خواہران اسلامی نے جس طرح اس کتاب کی طبع اوّل کی پذیرائی فرمائی ہے۔ اس کے لیے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں

اب طبع دوم ضروری تصحیحات و توضیحات کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ ہماری یہ ناچیز کوشش بحضور سید الشہداء قبول و مقبول ہو اور آپ کے جدِ بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہو۔

امام حسین علیہ السلام کا ذکر آپ کی ولادت سے قبل کے حالات سے لیکر کربلا میں آپکی شہادت عظمیٰ تک بڑے بلیغ انداز میں قرآن مجید میں موجود ہے جسے زبانِ وحی نے اپنے مخصوص اسلوب میں "رمز صریح" کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ صاحبانِ فکر و نظر تدبر و تفحص سے کام لے کر آیاتِ قرآنیہ کی مصداق و مقصود اس شخصیتِ قدسیہ کے خدوخال میں سید و سردارِ متقیاں، قافلہ سالارِ گروہِ عاشقاں، سرخیلِ اصحاب جناں اور قبلہ گاہ مومناں نواسۂ رحمت دو جہاںؐ کو بخوبی پہچان سکتے ہیں۔

اجازت چاہتا ہوں کہ اصل مسئلہ پر بحث کی ابتدا سے پہلے ایک نظر کلامِ پاک اور اس کے مخصوص اندازِ بیان پر ڈالی جائے اور اسے اہل بیتِ رسول علیہم السلام سے مروی صحیح احادیث کے تناظر میں دیکھا جائے۔

قرآن مجید آخری آسمانی صحیفہ ہے جو آخری نبی علیہ السلام کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ خدا کا یہ آخری پیغام اپنے فہم و مطالعہ کے لیے صحیح روش کی خود نشاندہی کرتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ص: ۲۹)

"یہ مبارک کتاب ہم نے آپ پر اس غرض سے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور اہلِ عقل اس سے نصیحت پکڑیں۔"

یقیناً قرآن مجید محض اسی لیے نازل نہیں ہوا کہ صرف اس کے الفاظ پڑھ لیے جائیں اور اس کے معانی و مفاہیم سے غافل رہا جائے۔ ہدفِ قرآن بفحوائے:

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران: ۱۶۴، جمعہ: ۲)

نبی علیہ السلام کے ذریعے تزکیۂ نفس کی تربیت اور حکمت آموزی کی تعلیم دینا ہے۔ یہ الٰہی ہدف صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ کلامِ اقدسِ خالقِ کائنات کے معانی کی معرفت حاصل کی جائے اور اس کی حقیقی روح کو سمجھا جائے۔ اس کے الفاظ تو از اول تا آخر چند گھنٹوں میں پڑھے جا سکتے ہیں لیکن ان کے فحاوی سے بے نصیب رہ کر اس تلاوتِ غیر مفہوم کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف کلامِ پاک کی تلاوت پوری صحت وضبط سے کی جائے بلکہ اس کے معانی میں پورا تدبر و تفکر بروئے کار لاکر آئمۂ اطہارؑ سے مروی احادیث صحیحہ نبویہؐ کی روشنی میں اس کے بین الدفتین میں مذکور حقائق دریافت کیے جائیں اور منزلِ نجات تک پہنچنے کے لیے انہیں زندگی کی راہ میں نصب منارہ ہائے ہدایت قرار دیا جائے۔

کلام پاک کے متعلق سلک امامت کے دُرِ ششم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

۱- اِنَّ الْعَزِيزَ الْجَبَّارَ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ كِتَابَهُ وَهُوَ الصَّادِقُ الْبَارُّ، فِيهِ خَبَرُكُمْ وَخَبَرُ مَنْ قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَنْ بَعْدَكُمْ وَخَبَرُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَتَاكُمْ مَنْ يُخْبِرُكُمْ ذٰلِكَ لَتَعَجَّبْتُمْ

(اصول کافی: فضل القرآن)

"خدائے عزیز و جبار نے تم پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ وہ سچا اور احسان شعار ہے۔ اس میں تمہاری خبر بھی ہے، تم سے پہلوں کی بھی اور تم سے بعد والوں کی بھی، آسمان کی خبر بھی اس میں

ہے اور زمین کی بھی۔ اگرچہ ایسی اطلاعات تمہارے لیے تعجب خیز ہیں۔" (اصول کافی۔ کتاب فضل القرآن)

۲۔ اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ اَرْبَعَةَ اَرْبَاعٍ رُبُعٌ حَلَالٌ وَرُبُعٌ حَرَامٌ وَرُبُعٌ سُنَنٌ وَاَحْكَامٌ وَخَبَرُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا هُوَ بَعْدَكُمْ وَفَصْلُ مَا بَيْنَكُمْ

"قرآن چار حصوں میں نازل ہوا۔ ایک چوتھائی حلال پر، ایک حرام پر، ایک احکام وسنن پر اور ایک چوتھائی تمہاری، تم سے پہلوں کی اور تم سے بعد والوں کی خبروں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تمہارے (اجتماعی) باہمی امور کے متعلق (خدائی) فیصلے ہیں۔

۳۔ اِنَّ الْقُرْآنَ زَاجِرٌ وَاٰمِرٌ بِالْجَنَّةِ وَيَزْجُرُ عَلَى النَّارِ

"قرآن منع کرتا ہے برائیوں سے اور حکم دیتا ہے نیکیوں کا۔ وہ جنت کا حکم دیتا ہے اور دوزخ میں جانے سے روکتا ہے۔"

(اصول کافی۔ فضل القرآن)

۴۔ لَا يَعْجِبُنِيْ اَنْ تَقْرَاهُ فِيْ اَقَلَّ مِنْ شَهْرٍ

"مجھے پسند نہیں کہ تم قرآن کی قرأت کو ایک ماہ سے کم مدت میں ختم کرو۔"

۵۔ اَعْرِبُوا الْقُرْآنَ لِاَنَّهٗ عَرَبِيٌّ

"قرآن کو پورے مخارج کیساتھ پڑھو کیونکہ وہ عربی زبان میں ہے۔"

پہلی تین احادیث میں قرآن مجید کا حامل علم وحکمت واحکام وسنن ہونا بیان فرمایا گیا ہے جن کا سمجھنا محض "قراءت" کر سکنے سے ممکن نہیں کیونکہ عبارات کا فہم بنیادی طور پر عربی زبان ونحو وادب کی معرفت پر موقوف

ہے اور حِکَم و احکام وسنن کے فہم کے لیے حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ اور کلام وغیرہ علوم درکار ہیں۔

چوتھی حدیث میں کم از کم ایک ماہ کی مدت میں کلام پاک کو ختم کرنے کی ہدایت میں بھی فہم و تدبر کا حکم مضمر ہے۔

پانچویں حدیث میں درست لہجے اور پورے اعراب کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے اور تصحیح قراءت کے لیے فہم شرط ہے۔

لہٰذا ایسی کتاب کا نہایت تدبر و تعقل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں صحیح فکر کی روشنی بھی ہے اور عبرت انگیز حقائق بھی امثال و حِکَم بھی ہیں اور فقہی مسائل بھی۔ یہ کتاب یقیناً انسان کی نجات کی ضامن ہے اور منزل نجات پانے کے لیے اس کی زندگی کی راہوں کو متعین اور روشن کرتی ہے، بشرطیکہ انسان اس کی تعلیمات کا عملی نمونہ اہلبیت اطہار[ع] کی سیرت قدسیہ وطیبہ سے حاصل کرے جس کی پیروی حسب فرمان پیغمبر علیہ السلام ہر قسم کی گمراہی و ضلالت کے مقابلے میں انسان کی سپر ہے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ
اَھْلَ بَیْتِیْ۔ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ
اَبَدًا۔ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ [1]

---

[1] یہ حدیث وصیت جسے حدیث ثقلین کے مبارک نام سے موسوم کیا گیا ہے متواترات میں سے ہے اور اس کی تصدیق و توثیق سواد اعظم کے تقریباً سب علمائے اعلام نے کی ہے۔
پیغمبر[ص] اسلام نے اگرچہ اپنی حیات طیبہ ہی میں اسلام کا پیغام (باقی صفحہ ۷ پر)

"میں تم میں دو گرانقدر چیزیں ـــــ خدا کی کتاب اور اپنے اہلبیتؑ چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک اور وابستگی اختیار کی تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ روزِ قیامت میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔"

(صفحہ ۶ سے آگے) جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا تھا لیکن آپ کی وفات حسرت آیات تک ایک عالمگیر اور آفاقی دین کی حیثیت سے اسلام کی تبلیغ کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ صرف تیئیس سالہ مدت بعثت میں جس کا تقریباً نصف اول جو مکی زندگی پر مشتمل تھا۔ مکے والوں کی شقاوت اور بدبختی کی وجہ سے بہت ہی محدود طور پر نتیجہ خیز و بارآور ثابت ہوا اور مدنی عہد میں جو کل تیرہ سال تھا، ساری دنیا کو مسلمان کر دینا ممکن نہ تھا لہٰذا حضور علیہ السلام نے الٰہی بصیرت سے مستقبل میں دین حق کی بقا اور تبلیغ و اشاعت کا، نیز اپنے بعد جزیرہ نمائے عرب میں دین نوخیز کو منافقین و مرتدین کی دست برد سے محفوظ رکھنے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ چنانچہ پہلے غدیر خم کے مقام پر حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران اور پھر وقتاً فوقتاً حیات پاک کے آخری ایام تک کئی بار علانیۃً فریضہ وصایت انجام دیا جسے کتب حدیث نے تقریباً دو سو طرق سے بیان کیا ہے۔

صاحب عبقات الانوارؒ نے مشہور علماء و محدثین کی کتب سے اس حدیث پاک کے ۱۸۵ طرق نقل فرمائے ہیں جن میں صرف مترادفات کا اختلاف ہے۔

اہل سنت کے ایک متعصب عالم علامہ احمد بن حجر مکی نے جن کی معاویہ نوازی ان کی ایک مستقل تصنیف "تطہیر الجنان و اللسان عن الخطور و التفوہ بثلب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان" کے بھاری بھرکم (باقی صفحہ ۸ پر)

اس ارشادِ نبوی ؐ کے مطابق تمام افرادِ قدسیہ عترت رسولؐ الثقلین واجب الاطاعت ہیں اور ان کی مدح و ستائش ہیں کلام پاک

(صفحہ ۷ سے آگے) اور مرعوب کن عنوان سے ظاہر ہے، اپنی مشہور و معروف مایہ ناز کتاب "الصواعق المحرقہ" میں جسے موصوف نے "فی الرد علی اھل البدع والزندقہ" کے الفاظ سے دراصل مذہب شیعہ کے رد میں تالیف کیا ہے۔ اس حدیث مقدس کی تصدیق و توثیق پورے زورِ قلم سے کی ہے چنانچہ اس کے صفحہ ۱۵۰ پر مسلم، ترمذی، طبرانی، احمد بن حنبل کے نقل روایات کے بعد لکھتے ہیں:

"ثم اعلم ان حدیث التمسک بالثقلین طرقاً کثیرۃ وردت عن نیّفٍ وعشرین صحابیا۔ ومرّ له طرق مبسوطة وفی بعض تلک الطرق انهؐ قال ذالک بحجة الوداع بعرفة وفی اخریٰ انهٗ قاله بالمدینة فی مرضه وقد امتلأت الحجرة باصحابه وفی اخریٰ انهؐ قال ذالک بغدیر خم وفی اخریٰ انهؐ، لما قام خطیباً بعد انصرافه من الطائف کما مرّ۔ ولا تنافی اذلامانع انهٗ کرّر علیهم ذالک فی تلک المواطن وغیرها اهتماماً بشان الکتاب العزیز والعترة الطاهرة۔" (الصواعق المحرقہ: ۱۵۰)

ترجمہ: واضح رہے کہ حدیث ثقلین بہت سے طریقوں سے بیس سے زیادہ صحابۂ رسولؐ سے نقل ہوئی ہے۔ طرقِ حدیث میں معمولی سا تفاوت ہے۔ بعض میں یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ کلمات حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں فرمائے تھے۔ بعض کے مطابق مدینہ منورہ میں مرض الموت کے دوران آپ نے یہ الفاظ (باقی صفحہ ۹ پر)

میں بھی بے شمار آیات مبارکہ وارد ہوئی ہیں لیکن ہمارا موضوع سیرت جناب سید الشہداء ہے اور پھر عشرہ محرم الحرام کی مناسبت سے بھی اسی موضوع پر بات ہونی چاہیے لہٰذا ہم یہاں صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان والا میں نازل شدہ دو آیاتِ مقدسہ پر بحث کرتے ہیں جو آنجنابؑ کی ذات اقدس کے متعلق ایک ناقابل تردید سند اور آپؑ کی استثنائی ولادت اور استثنائی شہادت کے بارے میں ایک واضح پیش گوئی کی حامل ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا۔ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ
شَهْرًا۔ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ
سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ
صَالِحًا تَرْضٰهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ
إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔
أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ

(صفحہ سے آگے) ارشاد فرمائے درآنحالیکہ حجرہ شریفہ صحابہ سے بھرا ہوا تھا۔ کسی میں یہ ہے کہ طائف سے واپسی پر خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے لیکن ان اختلافات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ حضور اکرمؐ نے کلام پاک اور عترت طاہرہ کی عظمت شان کے اظہار کے لیے ان سب مقامات پر متعدد بار یہ کلمات ارشاد فرماتے ہوں۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۵۰)

مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِيْٓ
اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۔ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ
كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۔ (الاحقاف: ۱۵-۱۶)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے رنج کے ساتھ اسے اپنے شکم میں رکھا اور رنج کے ساتھ اسے جنم دیا۔ اس کی مجموعی مدت حمل اور شیر خوارگی تیس ماہ تھی۔ پھر جب وہ جوان ہو کے توانا ہوا اور عقل اس کی کمال کو پہنچی اور عمر اس کی چالیس سال کی ہو گئی تو دست دعا بلند کر کے یوں خالق کائنات کے حضور عرض گزار ہوا: اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ مجھے اور میرے والدین کو تیری عطا فرمودہ نعمتوں کا شکر ادا کروں اور ایسے اعمال بجالاؤں جو تیری خوشنودی کا باعث ہوں۔ میری ذرّیت میں سے صالحین کو پیدا فرما۔ میری بازگشت تیری ہی جانب ہے اور میں تیرا تابع فرماں ہوں۔ انہی لوگوں کے بہترین اعمال کو ہم قبول کریں گے اور ان سے کیے گئے وعدۂ صادقہ کے مطابق اہل جنت میں سے ہم ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔"

مذکورہ بالا دونوں آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ قرآن مجید کسی مخصوص و معین انسان کے ساتھ چند نشانیوں کے ذریعے ہمارا تعارف کروا رہا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ تاریخی شواہد اور دوسرے

مآخذ کی مدد سے اس عظیم شخصیت کو پہچانیں۔

کلامِ پاکِ الٰہی میں والدین کیساتھ احسان کے بارے میں دو آیات اور بھی آئی ہیں جو بالترتیب سورۂ لقمان اور سورۂ عنکبوت میں ہیں:

۱۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ۔ (لقمان:۱۴)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں کہ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے شکم میں پرورش کیا اور پورے دو سال اسے اپنا (خونِ حیات) دودھ (کی شکل میں) چسایا، تاکید کی ہے کہ تو اپنے والدین کی اور میری شکر گزاری کر اور تیری بازگشت میری ہی طرف ہے۔

۲۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (عنکبوت:۸)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے لیکن اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک مان لے جس کے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کی اطاعت نہ کر۔ تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر میں تمہیں تمہارے اعمال (کی جزا و سزا) کے متعلق بتاؤں گا۔"

پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے انسان کا ذکر بطور عموم فرمایا ہے اور کسی خاص انسان کی تخصیص نہیں کی اور ہر انسان کے لیے یہ حکم عام ہے کہ اپنے والدین اور خصوصاً اپنی ماں سے نیکی اور بھلائی کا سلوک کرے کیونکہ اس کی ماں نے اس کے حمل اور شیر خوارگی کی پوری مدت اس کے لیے بہت مشقت برداشت کی۔ شیر خوارگی کی مدت اس آیۂ شریفہ میں دو سال فرمائی گئی ہے۔ اس طرح اگر مدت حمل کے ساتھ جو نو ماہ ہوتی ہے، شیر خوارگی کے دو سال جمع کریں تو حمل و فصال کی کل مدت ۹ + ۲۴ = ۳۳ ماہ بنتی ہے جو سورۂ احقاف کی آیۂ مبارکہ میں مذکور ۳۰ ماہ سے مختلف ہے[1] اور کلام پاک میں اس قسم کا تعجب خیز تضاد ایمان کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

آیت ۲ میں بھی انسان کا ذکر قطعاً عموم کے انداز میں ہوا ہے جو ہر فرد انسانی پر احسان بالوالدین کے ضمن میں منطبق ہو سکتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے الفاظ میں بھی کسی تخصیص کا سراغ نایاب ہے۔

لیکن آیۂ کریمہ سورۂ احقاف کا مقصود اور اس میں مخاطب "الانسان" کوئی خاص انسان ہے جو مندرجہ ذیل وجوہ سے عام انسانوں سے مختلف ہے:

۱۔ اس کی مدت حمل و شیر خوارگی مجموعی طور پر تیس ماہ ہے جبکہ

---

[1] نیز ملاحظہ فرمائیں آیہ ۲۳۳ سورۃ البقرہ:

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین

(مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں)

انسان کے کسی عام بچے کی یہی مدت پونے تین سال ہوتی ہے۔

۲- اس کی والدہ محترمہ اس کے استقرارِ حمل کے بعد پریشان ہو گئیں اور پوری مدتِ حمل رنجیدہ رہیں جبکہ عام مائیں ایسے وقت میں مستقبل کے حسین تصورات سے خوشنود ہوتی ہیں۔

۳- اس کی والدہ مکرمہ بخلاف عام ماؤں کے اولاد نرینہ کی پیدائش کے موقعہ پر خوش ہونے کے بجائے مستقبل کے کسی ہولناک تصور میں کھو کر پریشان و رنجیدہ ہو گئیں۔

۴- یہ "الانسان" پورے چالیس سال کی عمر میں جب اس کے قویٰ کامل ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ سے اپنی ذات اور اپنے عظیم والدین پر اس کے انعامات کا شکر ادا کرنے کے بعد خالص ابراہیمی انداز میں اللہ تعالےٰ سے ایک خاص دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی اور خوشنود ہو اور میری اولاد میں سے کچھ صالحین پیدا فرما۔

۵- دعائے ابراہیمی کی طرح اس کی دعا بھی مستجاب ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا وعدۂ صادقہ بھی شامل ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ آیۂ شریفہ دوسری مذکورہ آیات مبارکہ سے قطعاً مختلف ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان میں انسان سے مقصود ہر بشر ہے جبکہ اس کا مخاطب و مقصود انسان مندرجہ بالا پانچ علامات کا حامل کوئی ایک مخصوص انسان ہے۔

اس مخصوص فرد انسانی کو ہمیں تاریخ و تفاسیر سے تلاش کرنا ہے۔

اس مقام پر جناب امام ششم حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"دنیا ایسی ماں کا وجود پیش نہیں کر سکتی جو نر فرزند کی ولادت پر خوشی سے کھل جانے کی بجائے رنج و الم میں مبتلا ہو جائے سوائے بنتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کیونکہ نبیؐ نے انہیں بشارتِ فرزند کے ساتھ اس کی شہادت کی خبر بھی دی تھی۔"

محمد بن یعقوب کلینی نے جناب امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ:

"جس وقت جناب زہراؑ کے بطن مبارک میں امام حسین علیہ السلام کا حمل قرار پایا جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے نبی علیہ السلام سے کہا: "اے رسولؐ خدا فاطمہؑ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا جسے آپ کے بعد آپ کی امت قتل کرے گی۔" اسی وجہ سے جناب زہراء سلام اللہ علیہا حسینؑ کے حمل اور وضع حمل کے وقت رنجیدہ اور پریشان تھیں۔"[1]

ہماری اس بحث سے یہ حقیقت نکھر کے سامنے آجاتی ہے کہ سورۂ مبارکہ الاحقاف کی مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مذکورہ "الانسان"

---

[1] البرہان فی تفسیر القرآن - کتاب کامل الزیارات - ابن قولویہ

جس کے حمل اور شیر خوارگی کی مدت تیس ماہ تھی یا بالفاظ دیگر (شیر خوارگی کی دو سالہ مدت نکال کر) جس کی مدت حمل صرف چھ ماہ تھی اور جس کی والدہ گرامی اس کے زمانۂ حمل میں بھی اور ہنگام ولادت بھی رنجیدہ تھیں۔ تفسیر اہل بیت اور تاریخ کی رو سے جناب سید الشہداء حضرت امام حسین ؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

تاریخ سلف ایک اور شش ماہہ بچے کا بھی پتا دیتی ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے لیکن اس آیتِ مبارکہ کی مصداقیت کی باقی شروط ان پر منطبق نہیں ہوتیں۔

اب ہم اس آیہ مقدسہ کے ایک دقیق تر مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ مخصوص انسان اپنے حمل و ولادت کے مراحل طے کر لینے کے بعد سنِ رشد کو پہنچتا ہے۔ پھر جوانی کا زمانہ گزار کر جب اس کی عمر پورے چالیس سال کی ہو جاتی ہے تو دعا کرتا ہے:

ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذرّیتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔

"اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میری ذات اور میرے والدین پر جو تیرے احسانات و انعامات ہیں ان کے شکر کا حق ادا کروں اور ایسے اعمال تیرے حضور پیش کروں کہ تیری رضا اور خوشنودی مجھے حاصل ہو جائے اور میری ذریت میں سے صالح افراد پیدا فرما۔ میرا ملجا و ماویٰ

تو ہی ہے اور میں تیرا فرمانبردار غلام ہوں۔"

لیکن کیا اس دعا کے لیے چالیس سال کی عمر شرط ہے؟ کیا یہ دعا اس سے کم یا زیادہ عمر والا انسان نہیں مانگ سکتا؟

اس سوال کا جواب ہی دراصل اس برگزیدۂ خدا انسان کی معرفت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اس مقصد کے لیے ہمیں ماضی میں کچھ مدت پیچھے جا کر ایک تاریخی حقیقت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

معاویہ ۴۴ ہجری میں سفر "حج" پر مکہ مکرمہ گیا۔ (اس وقت جناب امام حسین علیہ السلام کی عمر مقدس چالیس سال تھی) اسی سال اس نے مشہور زمانہ زنازادہ زیاد ابن ابیہ کو اس بنا پر اپنا بھائی بنالیا تھا کہ اس کی ماں "سمیہ" نے جو طائف کی ایک مشہور پیشہ ور رنڈی تھی معاویہ کے باپ ابوسفیان سے زنا کے نتیجے میں اسے جنم دیا تھا۔[1]

---

[1] زیاد کی زانیہ ماں سمیہ زمانہ جاہلیت کے ایک طبیب حارث بن کلدہ کی لونڈی تھی جسے ایک رومی سردار نے کامیاب علاج کے انعام کے طور پر اسے دیا تھا۔ لیکن وہ برملا اعتراف کرتا تھا کہ اس میں باپ بننے کی صلاحیت نہیں۔ اس لیے اس نے سمیہ کو اپنے آزاد کردہ غلام عبید کی زوجیت میں دے دیا۔ لیکن گھریلو زندگی سمیہ کے بس کا روگ نہ تھا اور وہ کھلے بندوں زنا کی زندگی گزارتی رہی۔ اس کے ایک دلال ابومریم سلولی نے ابوسفیان سے بھی اسے ملایا۔

سمیہ سے جب زیاد پیدا ہوا تو مجہول النسب ہونے کی وجہ سے اسے زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا۔ لیکن معاویہ نے بعض سیاسی مصالح کے پیش نظر ابومریم کی شہادت پر کہ سمیہ ابوسفیان کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوئی تھی زیاد کو اپنا صلبی بھائی قرار دے دیا۔

معاویہ نے اپنے اس ناز یبا اور مذموم کافرانہ تصور سے سنت نبوی ؐ اور اعلیٰ اخلاقی و اسلامی اقدار کو توہین و استہزاء سے اپنے پاؤں تلے روند ڈالا جس کی وجہ سے سارے مسلمان اس سے بیزار ہو گئے۔

لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی دور بین نگاہ اور دور اندیش ذہن کو معاویہ کے اس اوّلین اسلام دشمن[1] اقدام سے پورا اندازہ ہو گیا کہ اس کی اس منحوس ابتداء کی انتہا کس حد تک ہولناک ہو سکتی ہے اور وہ اور اس کے اموی گرگے آپ کے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو مسخ کرنے کی غرض سے کن حدوں کو چھو سکتے ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے اس مذموم روش کو جس قدر جلد ممکن ہو سکتا تھا ختم کرنے کا عزم کر لیا اور اللہ تعالے سے عہد کیا کہ چاہے اس راہ میں اپنی اور اپنے اہل خاندان کی جانوں کی قربانی دینا پڑے، اور خواہ کتنے ہی اس سے بھی بڑے مصائب و شدائد برداشت کرنا

(صفحہ ۱۶ سے آگے) عبید اللہ بن زیاد قاتلِ بے حیائے حضرت امام حسین علیہ السلام اسی حرامزادہ کا بیٹا تھا۔

معاویہ نے زنا زادہ زیاد کو بھائی بنا کر جہاں تعلیمات اسلام کا منہ چڑایا وہاں اپنے باپ اور زیاد کی بھی خوب عزت افزائی کی۔

[1] نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "الولد للفراش وللعاھر الحجر" (زانیہ کا بچہ اس کے خاوند کا ہے اور زنا کار کو سنگسار کیا جائے) لیکن معاویہ نے زیاد کو حارث بن کلدہ کی طرف منسوب رہنے دینے کی بجائے اسے اپنے باپ ابوسفیان کی زانیہ کا زنا زادہ قرار دے کر اپنا بھائی بنا لیا اور دین نبوی ؐ کی پاکیزہ تعلیمات سے تمسخر کی علانیۃً ابتدا کر دی۔

پڑیں۔ وہ خلافت نبویہؐ اور نیابت الٰہیہ کے جھوٹے مدعیوں کے مکروہ چہروں پر سے منافقت کا نقاب ضرور نوچ پھینکیں گے اور معاویہ اور اس کے گروہ کے غیر اسلامی تصرفات سے دنیا کو روشناس کرائیں گے چنانچہ پورے درد و عزم کے ساتھ پورے چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوئے:

"مولا! میں تیری اس نعمت عظمیٰ پر کہ تو نے مجھے شجرۂ طاہرۂ نبویہؐ کی مقدس شاخ سے قرار دیا اور تیرے اس احسانِ عظیم پر کہ تو نے میرے آباء و اجداد کو عظمت انسانی کی انتہائی رفعتوں پر سرفراز فرمایا، تیرا تہِ دل سے عملی طور پر شکر گزار ہونے کی سعادت کی توفیق کی تجھ سے بھیک مانگتا ہوں تاکہ تیری شکر گزاری کا حق ادا کر سکوں۔

میرے مولا! تیرا دین خطرے میں ہے۔ طاغوتی طاقتیں اس کے استیصال کے لیے سرگرم ہو چکی ہیں۔ کہیں تیرے محبوبؐ کی تیئیس سالہ کوششیں ناکام نہ ہو جائیں۔ کہیں تیرے ایک لاکھ چوبیس ہزار فرستادوں کی صدہا سالہ محنتوں پر پانی نہ پھر جائے۔ پروردگار! مجھے توفیق دے کہ تیری راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دے کر تیرے مٹتے ہوئے دین کو بچالوں اور تیری نظرِ کرم کا مستحق ہو جاؤں۔

میرے معبود! جس طرح تو نے میرے آباء و اجداد علیہم السلام کو اپنے عظیم پیغام کی تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا اور جس طرح تو نے میرا دل اپنے کلمۂ طیبہ کے اعلاء کے عزم صمیم سے معمور

فرمایا ہے' اسی طرح میری اولاد میں سے بھی اپنے ناموس کی
حفاظت کے لیے صالحین کا ایک ایسا سلسلہ جاری فرما کہ
تیرے ابدی دین اور سرمدی پیغام کو پھر کوئی منافقِ بدخواہ
میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔
تو ہی میری جائے فریاد ہے اور تیری رضا ہی پر میرا سرِ تسلیم
خم ہے"۔

اب قارئین کرام خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اس آیۂ مبارکہ کا مصداق کوئی عام آدمی نہیں اور نہ ہی ہر انسان اس کا مقصود ہو سکتا ہے اور یقیناً "رب اوزعنی .... من المسلمین" کے الفاظ سے قرآن مجید کا مقصد یہ نہیں کہ ہر انسان کو اجازت ہے کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر اس آیۂ کریمہ کا مصداق بننے کے لیے ان الفاظ میں دعا کرے، نہ ہی کلام پاک کا یہ مطلب ہے کہ بہت سے لوگوں نے اللہ تعالےٰ سے اس قسم کی دعا کی — بلکہ وہ چند مخصوص علامات کے ذریعے اپنے ایک برگزیدہ بندے کا تعارف کرا رہا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عین چالیس سال کی عمر میں ان الفاظ میں اللہ تعالےٰ کے حضور یہ دعا کرے گا۔ یقیناً قرآن مجید ان الفاظ میں ہمیں اس عظیم انسان کی پہچان کی نشانی فراہم کر رہا ہے جس کی عظمت ایثار کے آگے تاریخ بشریت سر تعظیم خم کیے ہوئے ہے اور وہ عظیم انسان جناب سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے سوا اور کوئی نہیں جن کی یہ دعا خود امور مستقبل کے عالم خدا کی رضا کے بھی عین مطابق تھی' اس لیے من دعن قبول و مستجاب ہوئی اور وہ اپنے اعزاء و اقرباء اور یاران و انصار کے

ہمراہ صحرائے کربلا میں شہادت عظمیٰ کے درجۂ عالیہ پہ فائز ہوئے۔ نیز "واصلح لی فی ذریتی" کی دعا بھی دعائے خلیل کی طرح پورے طور پر مستجاب ہوئی کہ فرمان نبویؐ کے مطابق ۹ خلفائے خدا آپکی ذریت طاہرہ سے پیدا ہوئے۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے "انی من المسلمین" کے عہد کو زیر خنجر قاتل ملعون تادم آخر ایفاء فرمایا اور "اللھم انی وفیت بعھدی فاوف بوعدك" کی یاددہانی کرائی۔

اور اللہ تعالےٰ نے اپنا "نتقبل منھم" (یعنی قبول دعا) کا وعدۂ صادقہ ان الفاظ میں ایفاء فرمایا۔

"یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك
راضیة مرضیة ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

(الفجر: ۲۴)

"اے (اپنے جملہ وعدوں کو بطور احسن ایفاء کر کے بار مسئولیت سے سبکدوش) نفس مطمئنہ (ہم تجھ سے اپنے وعدے کے مطابق راضی وخوشنود ہیں) اب تو پورے سکون قلب کے ساتھ ہماری طرف لوٹ آ اور آکے ہمارے محبوب اور معزز عباد میں شامل ہو جا۔ رضوان جنت تیرے لیے چشم براہ ہے"

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
اے صبا اے پیک دور افتادگان
اشک ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں

(ترجمہ سید غضنفر حسین بخاری)